حقیقت جہاد2

سوال نمبر۔1۔کیا اسلام تلوار سے پھیلا ؟

اسلام دین اور مذہب کے معاملہ میں جبر کی اجازت ہر گز نہیں دیتا ہے اگر اسلام نے جبر کی اجازت دی ہوتی تو پھر کہا جا سکتا تھا کہ مسلمانوں نے ابتدائی دور میں بھی زبردستی مسلمان بنانے کی غرض سے جبر اور جنگ وجدال کی مدد لی ہو گی اور اسلام کی پرورش تلوار کے سائے میں ہوئی ہو گی۔اور اب صورت حال اس طرح پر ہے کہ ہمیں اسلام کے بنیادی لائحہ عمل اور اس کی تمام تعلیمات کے ماخذ قرآن کریم کو دیکھنا ہو گا کیونکہ نہ ہی آنحضرت ﷺ اور مسلمان ایسے تھے کہ قرآن ان کو جبر سے روک رہا ہو اور وہ جبر سے کام لے رہے ہوں اب ہم قرآن کو دیکھیں تو وہاں جبری اشاعت کی زبردست مناہی ملتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قل الحق من ربکم فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر۔۔۔۔۔۔۔۔

(سورۃ الکھف:30)

ترجمہ:"اے رسول تو کہہ دے لوگوں سے کہ اسلام حق ہے تمہارے رب کی طرف سے پھر اس کے بعد جو چاہے اس پر ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے۔"

پھر فرمایا:

قل یایھا الناس قدجاء کم الحق من ربکم فمن اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا ومانا علیکم بوکیل۔

(یونس:109)

ترجمہ:"اے رسول تو لوگوں سے کہہ دے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آتا ہے پس اب جو شخصہدایت کو قبول کرے گا تو اس کا فائدہ خود اسی کے نفس کو ہو گا اور جو غلط راستہ پر چلے گا اس کا وبال بھی خود اسی کی جان پر ہے اور میں کوئی تمہاری ہدایت کا ذمہ دار نہیں ہوں پھر فرماتا ہے۔

لااکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لاانفصام لھا واللہ سمیع علیم۔

(البقرۃ:257)

ترجمہ:"دین کے معاملہ میں جبر نہیں ہوتا چاہئے ہدایت اور گمراہی کا معاملہ پوری طرح کھل چکاہے۔پس اب جو شخص گمراہی کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لے آئے گا تو گویا ایک مضبوط کڑے کو پکڑ لے گا جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

پھر قرآن میں آیا ہے کہ:۔

وقل للذین اوتواالکتاب والامیین ءَاَسلمتم فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ واللہ بصیر بالعباد۔

(آل

عمران:21)

یعنی اے رسول کہہ دے اہل کتاب اور مشرکین سے کہ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو یعنی ان کو اسلام کا پیغام پہنچا دے پھر اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو جان لو وہ ہدایت پا گئے۔لیکن اگر وہ تیری دعوت کو رد کر دیں تو تیرا کام تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہاہے۔"

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اپنی شہرہ آفاق سیرت خاتم النبیین میں اسی موضوع پر لکھتے ہیں:۔

"ایک حدیث آتی ہے کہ فلما اجلیت بنو نضیر کان فیھم من ابناء الانصار فقالوا لاندع ابنائنا فانزل اللہ تعالیٰ لااکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔

(ابو داؤد کتاب الجہاد)

یعنی جب بنو نضیر مدینہ سے جلا وطن کئے گئے تو ان میں وہ لوگ بھی تھے جو انصار کی اولاد تھے (زمانہ جاہلیت میں جب کسی اوسی یا خزرجی مشرک کے گھر نرینہ اولاد نہ ہوتی تھی تو وہ منت مانتا تھا کہ اگر میرے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے یہودی بنا دونگا۔اس طرح اوس اور خزرج کے کئی بچے یہودی بن گئے) انصار نے انہیں روک لینا چاہا۔مگر آنحضورؐ نے اس قرآنی آیت کے ماتحت کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہونا چاہئے انصار کو منع فرمایا کہ ایسا نہ کریں۔پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کے متعلق وثیق رومی کی ایک روایت آتی ہے کہ

کنت مملوکا لعمر فقال اسلم۔۔۔قالل فابیت فقال لااکراہ فی الدین فلما حضرتہ الوفاۃاَعتَقنِیْ فقال اذھب حیث شئت(عوارف بروایت ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفائ)

یعنی وثیق رومی روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کا غلام ہوتا تھا آپؓ مجھ سے فرماتے رہتے تھے کہ مسلمان ہو جاؤ مگر میں انکار کرتا تھا۔اور حضرت عمرؓ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے تھے کہ اچھا۔لا اکراہ فی الدین۔یعنی ”دین کے معاملہ میں جبر جائز نہیں ہے۔“پھر جب ان کی وفات کا وقت قریب آیاتو انہوں نے مجھے خود بخود آزاد کر دیا اور فرمایا۔اب جہاں چاہتے ہو چلے جاؤ۔

(سیرت خاتم النبیینؐ از مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ:289 تا290)

ایک اصولی بات یہ ہے کہ جس زمانہ کے حالات بیان کئے جارہے ہیں اس وقت کے لوگوں کا بیان بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہوا کرتا ہے۔اب ایک طرف آنحضرت ﷺ قرآن کی آیات کی دن رات تشہیر کر رہے ہیں اور سب تک قرآن کا پیغام پہنچا رہے ہیں اگر اسی دور میں ایک بھی شخص جبر سے مسلمان بنایا جاتا تو اس دور کے مخالف مشرک ایک طوفان بدتمیزی برپا کر سکتے تھے کہ اے نبی ! تو تو اس پیغام اور خدائی حکم کے الٹ کر رہا ہے۔یعنی جبر جائز نہیں اور تم زبر دستی لوگوں کو تلوار کے سائے میں مسلمان بنا رہے ہو۔اس قدر پھیلی ہوئی مستند اور مفصل تاریخ میں ایک بھی ایسا اعتراض مرقوم و محفوظ نہیں ہے۔یہ اس بات کا بڑا ثبوت ہے کہ آنحضور ﷺ نے اپنی زندگی میں ایک بھی شخص جبر اور ظلم کی راہ سے اسلام میں داخل نہ کیا۔

نیز اسلام پر جبر کا الزام لگانے والے عقل سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ علم تاریخ سے بھی نابلد ہوتے ہیں۔کیونکہ اگر اسلام میں داخل کرنا ہی اسلامی لشکروں کا آخری مقصد ہوتا تو وہ اس سے کم کسی بات پر راضی نہ ہوتے۔مگر اسلامی تاریخ کی بنیادی کتب میں ایسے واقعات مل جاتے ہیں کہ جزیہ پر ہی بات ختم ہو جایا کرتی تھی۔اگر الزام درست ہے تو پھر جزیہ کیسا؟مذہب تبدیل کیوں نہ کروایا؟نیز یہ بات بھی نظروں سے اوجھل نہیں رہنی چاہئے کہ اگر آنحضور ﷺ نے زبردستی دین ہی تبدیل کروانا تھا تو ان چند مواقع پر نظر ڈالنے سے بات کی حقیقت با آسانی کھل جائے گی۔جب آپؐ کے پاس مکمل غلبہ اور حکومت تھی۔مگر آپؐ نے سب کو معاف کر دیا بلکہ اپنے مذہب پر قائم رہنے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی اورزبردستی دین تبدیل نہ کروایا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”جیسا کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے مکہ والوں اور دوسرے لوگوں پر بکلی فتح پا کر اور ان کو اپنی تلوار کے نیچے دیکھ کر پھر ان کا گناہ بخش دیا۔اور صرف انہیں چند لوگوں کو سزا دی جن کو سزا دینے کے لئے حضرت احدیت کی طرف سے قطعی حکم وارد ہو چکا تھا۔اور بجز ان ازلی ملعونوں کے ہر یک دشمن کا گناہ بخش دیا اور فتح پا کر سب کو لا تثریب علیکم الیوم کہا۔اور اسے عفو تقصیر کی وجہ سے کہ جو مخالفوں کی نظر میں ایک امر محال معلوم ہوتا تھا۔اور اپنی شرارتوں پر نظر کرنے وہ اپنے تئیں اپنے مخالف کے ہاتھ میں دیکھ کر مقتول خیال کرتے تھے۔ہزاروں انسانوں نے ایک ساعت میں دین اسلام قبول کر لیا۔“

(براہین احمدیہ،روحانی خزائن جلد اول بقیہ حاشیہ نمبر 11صفحہ:286)

بلکہ یہ تو معمولی عقل کا انسان بھی بخوبی سمجھ لے گا کہ صحابہ کے کارنامے اور ان کی قربانیاں ہرگز ہرگز اس خیال کو پہنچنے نہیں دیتیں کہ وہ زبردستی بذریعہ جنگ اور جہاد اسلام میں داخل کئے گئے تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔۔

”قرآن نے ہرگز جبر کی تعلیم نہیں دی۔اگر جبر کی تعلیم ہوتی تو ہمارے نبی ﷺ کے اصحاب جبر کی تعلیم کی وجہ سے اس لائق نہ ہوتے کہ امتحانوں کے موقع پر سچے ایمانداروں کی طرح صدق دکھلا سکتے۔لیکن ہمارے سید ومولیٰ نبی ﷺ کے صحابہ کی وفاداری ایک ایسا امر ہے کہ اس کے اظہار کی ہمیں ضرورت نہیں۔یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں کہ ان کے صدق اور وفاداری کے نمونے اس درجہ پر ظہور میں آئے کہ دوسری قوموں میں ان کی نظیر ملنا

مشکل ہے۔اس وفادار قوم نے تلواروں کے نیچے بھی اپنی وفاداری اور صدق کو نہیں چھوڑا بلکہ اپنے بزرگ اورپاک نبی کی رفاقت میں وہ صدق دکھلایا کہ کبھی انسان میں وہ صدق نہیں آ سکتا جب تک ایمان سے اس کا دل اور سینہ منور نہ ہو۔غرض اسلام میں جبر کو دخل نہیں۔

(مسیح ہندوستان میں'روحانی خزائن جلد 15ص12)

آپ نے اسی مضمون کو اور کھولا اور فرمایا:۔

''ہمارے مخالف جو خواہ نخواہ اسلام پر جبر کا الزام لگاتے ہیں ان کو یہ دو باتیں ضرور سوچنی چاہئیں (۱)اول یہ کہ جس قدر آنحضرت ﷺ کی صحبت سے صحابہ کے دلوں میں تبدیلی پیدا ہوئی اور جس قدر وہ بت پرستی اور ہر ایک مشرکانہ رسم سے متنفر ہو گئے کیا ایسی تبدیلی اور ایسی شرک سے بیزار ی اس شخص کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے کہ جو جانتا ہے کہ مجھے زبردستی مسلمان کیا گیا ہے(اس جگہ آریہ صاحبوں کو چاہئے کہ اپنے ایک ہندو بھائی کی کتاب یعنی سوانح عمری حضرت محمد صاحب صفحہ ۳۴غور سے مطالعہ کریں۔منہ)(۲)دوسری وہ تائید اسلام جو انہوں نے اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر دکھلائی یہاں تک کہ پچاس برس کی مدت بھی نہیں گزری تھی کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہو گیا اور مختلف ممالک میں پھیل گیا اور انہوں نے اسلام کی تائید میں وہ کام حیرت انگیز دکھا ئے کہ جب تک انسان کا دل کسی اپنے ہادی کی راہ میں فنا شدہ نہ ہو ایسے کام ہر گز نہیں دکھلا سکتا۔(محققین یورپ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جس صدق دل اور دلی جوش سے عربوں نے آنحضرت ﷺ کو قبول کیا وہ ایک فوق العادت امر ہے اور اسی سچے ایمان اور اخلاص کا نتیجہ تھا کہ تھوڑی ہی مدت میں ان کو دنیا میں فتوحات حاصل ہوئیں جو آج تک کسی قوم کو حاصل نہیں ہوئیں اور ایک حیرت ناک امر یہ اُن سے ظہور میں آیا کہ یا تو وہ لوگ اُمّی اور نا خواندہ تھے اور یا علوم وفنون میں وہ فوقیت حاصل کی جو قدیم علموں کو زندہ کیا۔اور بہت سے نئے علوم ایجاد کئے۔عراق اور شام۔اسپین اور دیگر ممالک اسلامیہ کی یونیورسٹیاں مشہور تھیں۔یورپ کے علماء صدق دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اُن کے بزرگوں کو عرب کی شاگردی کا فخر ہے۔پس کیا یہ ترقیات وہ قوم کر سکتی ہے جو جبراً تلوار سے مسلمان کئے گئے اور ابتداء میں تو آنحضرت ﷺ محض اکیلے تھے تو پھر جبر کرنے والی فوج کہاں سے نکل آئی۔منہ)تاریخ پڑھنے سے ہر ایک کومعلوم ہو گا کہ انہوں نے کیا کیا مصیبتیں اسلام کی راہ میں اٹھائیں اور کیسی استقامت دکھلائی اور باوجود بھوکے اور فاقہ کش

ہونے کے کیسے دشمنوں سے مقابلے کئے یہاں تک کہ بت پرستی کی تاریکی کو اپنے خونوں سے دنیا کے کئی حصوں میں سے اٹھا دیا اور خدا کے دین کی خدمت میں چین کے ملک تک جا پہنچے اور کروڑہا انسانوں کو بت پرستی سے تائب کر کے توحید کے نور سے منور کیا اور ہر ایک میدان میں اور ہر ایک موقع میں آزمائش میں ایسا اپنا صدق دکھلایا کہ اس کے تصور سے رونا آتا ہے تو کیا اُن کی نسبت کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ وہ جبراً مسلمان کئے گئے تھے۔فی الواقع ایمانی مراتب میں انہوں نے وہ ترقی کی تھی اُن کا نمونہ ملنا مشکل ہے ان کے صدق اور اخلاص نے تمام ممالک کو فتح کر کے دکھلادیا اور جس جلدی سے انہوں نے دنیا میں اسلام کو پھیلایا وہ بھی درحقیقت ایک معجزہ ہی تھا جس کی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی)

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد23صفحہ 236تا237بمع حاشیہ)

اسلام پر زبر دستی اور جبر کرنے کا الزام لگانے والوں کی بنیادی کہاں ہے اس کی حقیقت حضرت مسیح موعودؑ نے کھولی۔لاہور میں آریہ سماج کے جلسہ دسمبر1907ء میں یہ اعتراض بھی دہرایا گیا حضورؑ فرماتے ہیں:۔

’’مضمون پڑھنے والے نے ایک یہ اعتراض پیش کیا کہ قرآن شریف میں لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو نہ اپنی ذاتی کچھ عقل ہے اور نہ علم صرف پادریوں کا کاسہ لیس ہے چونکہ پادریوں نے اپنے نہایت کینہ اور بغض سے جیسا کہ اُن کی عادت ہے محض افتراء کے طور پر اپنی کتابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ اسلام میں جبراً مسلمان بنانے کا حکم ہے۔سو اُس نے اور اُس کے دوسرے بھائیوں نے بغیر تحقیق اور تفتیش کے وہی پادریوں کے مفتریانہ الزام کو پیش کر دیا۔قرآن شریف میں تو کھلے کھلے طور پر یہ آیت موجود ہے لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (البقرۃ:257)یعنی دین میں کوئی جبر نہیں ہے تحقیق ہدایت اور گمراہی میں کھلا کھلا فرق ظاہر ہو گیا ہے پھر بھی جبر کی کیا حاجت ہے تعجب کہ باوجود یکہ قرآن شریف میں اس قدر تصریح سے بیان فرمایا ہے کہ دین کے بارے میں جبر نہیں کرنا چاہئے پھر بھی جن کے دل بغض اور دشمنی سے سیاہ ہورہے ہیں ناحق خدا کے کلام پر جبر کا الزام دیتے ہیں۔اب ہم ایک اور آیت لکھ کر منصفین سے انصاف چاہتے ہیں کہ وہ خدا سے ڈر کر ہمیں بتلا دیں کہ کیا اس آیت سے جبر کی تعلیم ثابت ہوتی ہے یا برخلاف اس کے ممانعتِ جبر کا حکم بپایہ ثبوت پہنچتا ہے اور وہ آیت یہ ہے۔وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ ذالک بانھم قوم لا یعلمون۔الجز

نمبر۱۰سورۃ توبہ(التوبۃ:6)(ترجمہ) اگر تجھ سے اے رسول کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دے دو اور اس وقت تک اس کو اپنی پناہ میں رکھو کہ وہ اطمینان سے خدا کے کلام کو سن سمجھ لے اور پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پر واپس پہنچا دو۔یہ رعایت ان لوگوں کے حق میں اس وجہ سے کرنی ضرور ہے کہ یہ لوگ اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔اب ظاہر ہے کہ اگر قرآن شریف جبر کی تعلیم کرتا تو یہ حکم نہ دیتا کہ جو کافر قرآن شریف کو سننا چاہے تو جب وہ سن چکے اور مسلمان نہ ہو تو اُس کو اُس کی امن کی جگہ پر پہنچا دینا چاہئے بلکہ یہ حکم دیتا کہ جب ایسا کافر قابو میں آجاوے تو وہیں اُس کو مسلمان کر لو۔"

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23صفحہ232تا233)

اسلام جبر کی اجازت نہیں دیتا اس واضح اصول اور تعلیم کے حق میں دلائل تو کافی درج ہو گئے واقعاتی شہادت کے طور پر چند باتوں کا اندراج ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور کی نہایت مفصل تاریخ موجود ہے اس میں ہزاروں مسلمانوں اور کافروں کے اسماء درج ہیں کسی ایک کی بابت بھی درج نہیں ہے کہ وہ جبراً مسلمان بنایا گیا تھا یا اشارۃً کسی کافر یا مسلم نے کہا ہو کہ مجھ سے زبر دستی کی گئی تھی یا اس کی کوشش ہی کی گئی ہو۔اس کے برعکس تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک شخص نے عین لڑائی میں مغلوب ہوتے وقت کلمہ پڑھ لیا تو اس غالب ہونے والے مسلمان نے اس خیال سے کہ یہ تلوار سے ڈر کر مسلمان ہو رہا ہے اس کو ختم کر دیا اور اس کافر کے اس مغلوب حالت کے ایمان کو جبری تبلیغ کے مساوی خیال کر کے اُسکے اقرار کی پرواہ نہ کی کہ شاید اس اقرار کے ساتھ دل کی تصدیق شامل نہ ہو۔

نیز مکہ میں آپ ﷺ کے فاتحانہ دخول کے بعد بھی وہاں ایسے لوگ موجود رہے جو مکہ میں رہ کر اسلام کے منکر تھے اور وہ اپنے کفر پر قائم تھے۔ان کی تعداد سینکڑوں بلکہ ہزاروں تھی۔اگر اسلام میں جبری تبلیغ کی اجازت اور اس کا طریق رائج ہوتا جیسا کہ الزام لگایا جاتا ہے تو یہ اہل مکہ اس بات کے زیادہ قابل تھے کہ اُن کو اُس موقع پر تلوار کے زور پر مسلمان بنایا جاتا کیونکہ اس شہر بلکہ اس سارے ملک پر مسلمانوں کی حکومت تھی مگر یہ سب لوگ رفتہ رفتہ اسلام کے حسنِ تعلیم اور مسلمانوں کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔اور ایک بھی شخص اس عظیم الشان اور کھلی کھلی فتح کے بعد بھی جبراً مسلمان نہ بنایا گیا۔صرف مجرموں کو قانون شکنی پر واجبی سزا

دی گئی۔جو ہر گز ظلم نہیں ہے۔اور اُن لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے والی چیز لوہے کی تلوار نہ تھی بلکہ براہین اور آیات کی تلوار نے نہایت قلیل عرصہ میں سارے مکہ اور سارے عرب کو اسلام کی آغوش میں لا ڈالا تھا۔

آنحضور ﷺ کی صلح اور امن کی خواہش اور اس کے لئے آپ کی کوششیں ہی آپ ﷺ پر جنگ اور جبر کے الزام کو بطریق احسن رد کر دیتی ہیں۔پھر آغاز جہاد کے ایام میں صحابہ کی حالت بھی تاریخی واقعات سے جس طرح ہم پر منکشف ہوتی ہے وہ صاف بتاتی ہے کہ صحابہ نہ تو جبر سے لوگوں کو مسلمان بنایا کرتے تھے اور نہ ہر وقت تلواریں اٹھا کر دشمنوں پر چڑھے رہتے تھے۔وہ تو اس قدر کمزور تھے کہ خود خوف سے دن اور رات بسر کیا کرتے تھے۔ہتھیار تو درکنار ان کے پاس خوراک اور لباس بھی اس قدر نہ تھا کہ جو انکی ضرورتیں پوری کر سکے۔

پھر یہ دلیل بھی باخبر احباب سے مخفی نہ ہوگی کہ اسلام کو غیر معمولی ترقی اور رفعت' جنگ کے زمانہ کی نسبت امن کے ماحول میں نصیب ہوئی۔مثلاً صلح حدیبیہ کے بعد اسلام عرب سے نکل کر ارد گرد کے ممالک تک پھیل گیا۔ حالانکہ ہجرت کے ابتدائی پانچ سالہ پر خطر اور جنگوں سے مصروف دور میں بہت تھوڑے لوگ اسلام میں داخل ہو سکے تھے۔کیونکہ اس دور میں صحابہ کو تبلیغ کے مواقع ہی نہ ملتے تھے۔اور ان کو مسلسل اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان کی فکر لا حق تھی۔

الغرض عقل اور نقل دونوں ہی بڑی شدت کے ساتھ اس الزام کو رفع کرتی ہیں کہ اسلام کی ترقی جنگوں اور تلواروں کی مرہونِ منت ہے۔اور اب بعد مطالعہ اس سے بر عکس حالات ثابت ہو رہے ہیں۔

اس پہلو میں حرفِ آخر کے طور پر خاکسار حضرت مسیح موعودؑ کا وہ اقتباس پیش کرنا چاہتا ہے کہ جس کے اندر آپؑ نے جبر کے الزام کا بڑی شدّ ومدّ سے ردّ فرمایا ہے۔آپؑ فرماتے ہیں کہ:۔

"۔۔۔۔۔میں نہیں جانتا کہ ہمارے مخالفوں نے کہاں سے اور کس سُن لیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔خدا تو قرآن شریف میں فرماتا ہے:۔لا اکراہ فی الدین یعنی دین اسلام میں جبر نہیں۔تو پھر کس نے جبر کا حکم دیا۔ اور جبر کے کونسے سامان تھے۔اور کیا وہ لوگ جو جبر سے مسلمان کئے جاتے ہیں اُن کا یہی صدق اور یہی ایمان ہوتا ہے کہ بغیر کسی تنخواہ پانے کے باوجود دو تین سو آدمی ہونے کے ہزاروں آدمیوں کا مقابلہ کریں۔اور جب ہزار تک

پہنچ جائیں تو کئی لاکھ دشمن کو شکست دے دیں۔اور دین کو دشمن کے حملہ سے بچانے کے لئے بھیڑوں بکریوں کی طرح سر کٹا دیں۔اور اسلام کی سچائی پر اپنے خون سے مہریں کر دیں۔اور خدا کی توحید کے پھیلانے کے لئے ایسے عاشق ہوں کہ درویشانہ طور پر سختی اُٹھا کر افریقہ کے ریگستان تک پہنچیں اور اس ملک میں اسلام کو پھیلا دیں۔اور پھر ہر یک قسم کی صعوبت اٹھا کر چین تک پہنچیں نہ جنگ کے طور پر بلکہ محض درویشانہ طور پر۔اور اس ملک میں پہنچ کر دعوتِ اسلام کریں۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بابرکت وعظ سے کئی کروڑ مسلمان اس زمین میں پیدا ہو جائیں۔اور پھر ٹاٹ پوش درویشوں کے رنگ میں ہندوستان میں آئیں۔اور بہت سے حصہ آریہ ورت کو اسلام سے مشرف کردیں اور یورپ کی حدود تک لاالٰہ الا اللہ کی آواز پہنچا دیں۔تم ایماناً کہو کہ کیا یہ کام ان لوگوں کا ہے جو جبراً مسلمان کئے جاتے ہیں جن کا دل کافر اور زبان مؤمن ہوتی ہے ؟نہیں بلکہ یہ ان لوگوں کے کام ہیں جن کے دل نور ایمان سے بھر جاتے ہیں اور جن کے دلوں میں خدا ہی خدا ہوتا ہے۔

(پیغام صلح روحانی خزائن جلد 23صفحہ468تا469)

جہاد کی فرضیت کا پس منظر

ہر نئے پیغام اور ہر صداقت کی مخالفت تو ایک روز مرہ مشاہدہ کی چیز ہے۔انبیاء اور اولیاء اللہ کی مخالفت کے واقعات بھی معروف ومشہور ہیں مگر جب سب نبیوں کا سردار آیا تو مخالفت کی شدت اور تیزی کی آخری حدیں زمانے کو دیکھنے کے لئے ملیں۔

یہ بات تو تاریخ دان لوگ جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے جو مخالفت مکہ والوں کو تھی اس کی نظیر دنیا کی کسی اور تاریخ میں نہیں ملتی۔آپ کی مخالفت اور ایذاء رسانی کے لئے جو تدابیر انہوں نے کیں یا جو منصوبے انہوں نے باندھے وہ اپنی نظیر آپ ہی تھے اور کبھی کسی قوم نے دنیاوی مخالفت میں یادینی عداوت میں کسی انسان کی بلا وجہ

ایسی بد خواہی نہیں کی جیسی اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ سے کی مگر خدا تعالیٰ نے ہر میدان میں آنحضرت ﷺ کو فتح دی اور آپ ہر دشمن پر فاتح رہے۔

آنحضور ﷺ کو اور آپ کے اصحاب کو ابتدائے اسلام سے ہی مشکلات اورابتلاؤں کا سامنا تھا۔اور اُس وقت کی تمام قومیں اُن کی دشمن ہو گئیں۔گذشتہ سے قائم مذہبی فرقوں اور ان کے گدی نشینوں کو اسلام کے قیام کی شکل میں اپنی آمدنیاں ختم ہوتی نظر آئیں اور وہ دیکھنے لگے کہ اب ان کے وہ خطابات اور القابات بھی زیادہ دیر تک ان کے پاس نہیں رہیں گے۔ان کئی نقصانات کو دیکھ کر علماء اور مشائخ کا گروہ ہمیشہ نبیوں اور رسولوں سے حسد کرتا آیا ہے۔ایسے لوگ چونکہ نوروں سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں اس لئے انبیاء کے وقت میں ان کی شدید پردہ دری ہوتی ہے۔ اس لئے وہ محض نفسانی اغراض کی خاطر دشمنی کرتے ہیں۔اور سراسر نفس کے تابع ہو کر وہ ضرر رسانی کے طریقے سوچتے ہیں ،کئی سوچوں اور حالات سے گزرنے کے باوجود یہ مخالفین کا گروہ اپنے حسد کی وجہ سے عداوت کے گڑھوں میں گرتا ہی جاتا ہے۔ان تمام اسباب کا تفصیلی نقشہ کھینچ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلا م فرماتے ہیں۔

’’یہی اسباب تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے وقت میں مشرکوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کے عالموں کو نہ محض حق کے قبول کرنے سے محروم رکھا بلکہ سخت عداوت پر آمادہ کر دیا۔لہٰذا وہ اس فکر میں لگ گئے کہ وہ کس طرح اسلام کو صفحۂ دنیا سے مٹا دیں۔اور چونکہ مسلمان اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھوڑے تھے اس لئے اُن کے مخالفوں نے بباعث اس تکبر کے جو فطرتاً ایسے فرقوں کے دل ودماغ پر جاگزیں ہوتا ہے جو اپنے تئیں دولت میں مال میں کثرتِ جماعت میں عزت میں مرتبت میں دوسرے فرقہ سے برتر خیال کرتے ہیں اُس وقت کے مسلمانوں یعنی صحابہ سے سخت دشمنی کا برتاؤ کیا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ آسمانی پودہ زمین پر قائم ہو بلکہ وہ ان راستبازوں کے ہلاک کرنے کے لئے اپنے ناخنوں تک زور لگا رہے تھے۔اور کوئی دقیقہ آزار رسانی کا اُٹھا نہیں رکھا تھا اور اُن کو خوف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو اس مذہب کے پیر جم جائیں اور پھر اس کی ترقی ہمارے مذہب اور قوم کی بربادی کا موجب ہوجائے۔ سو اسی خوف سے جواُن کے دلوں میں ایک رعب ناک صورت میں بیٹھ گیا تھا نہایت جابرانہ اور ظالمانہ کا روائیاں اُن سے ظہور میں آئیں اور انہوں نے درد ناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا اور ایک زمانہ دراز تک جو تیرہ برس کی مدت تھی ان کی طرف سے یہی کاروائی رہی اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوع

انسانی کے فخر اُن شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے۔اِس پر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہر گز مقابلہ نہ کرو۔چنانچہ اُن برگزیدہ راستبازوں نے ایسا ہی کیا۔اُن کے خونوں سے کوچے سُرخ ہو گئے پر انہوں نے دم نہ مارا۔وہ قربانیوں کی طرح ذبح کئے گئے پر انہوں نے آہ نہ کی۔خدا کے پاک اور مقدس رسول کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہیں بار ہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا مگر اُس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام آزاروں کی دلی انشراح اور محبت سے برداشت کی اور ان صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اور اُنہوں نے اس مقدس جماعت کواپنا شکار سمجھ لیا۔تب اُس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گزر جائے اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اُس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اُس نے اپنے پاک کلام قرآن شریف کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔میں تمہیں آج سے مقابلے کی اجازت دیتا ہوں۔اور میں خدائے قادر ہوں ظالموں کو بے سزانہیں چھوڑوں گا۔یہ حکم تھا جس کا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا۔"

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد نمبر17صفحہ4تا6)

آنحضور ﷺ نے مکہ میں رہ کر تلوار نہ اٹھائی اور ہر طرح کے مظالم کو نہایت صبر سے خود بھی برداشت کیا اور صحابہ کو بھی تلقین کرتے رہے۔چنانچہ لکھا ہے کہ جب مکہ میں مسلمانوں پر ظلم حدوں سے آگے بڑھ گئے تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور دوسرے بعض صحابہ نے حاضر ہو کر قریش کا مقابلہ کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ انی امرت بالعفو فلا تقاتلوا۔۔(سنن نسائی کتاب الجہاد) یعنی ابھی تک مجھے عفو کا حکم ملا ہے اس لئے میں تمہیں لڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

آنحضور ﷺ کا مکہ میں رہ کر تلوار نہ اٹھانا بھی ایک شان اور خوبصورتی اپنے اندر رکھتا ہے۔حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب ایم اے اس کی وجہ تحریر کرتے ہیں۔

"جب تک آنحضرتؐ مکہ میں مقیم رہے آپؐ نے ہر قسم کے مظالم برداشت کئے ،لیکن قریش کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی۔کیونکہ اول تو پیشتر اس کے کہ قریش کے خلاف کوئی کاروائی کی جاتی سنت اللہ کے مطابق ان پر اتمام حجت

کرنا ضروری تھا اور اس کے لئے مہلت درکار تھی۔دوسرے خدا کا یہ بھی منشاء تھا کہ مسلمان اس آخری حد تک صبر اور عفو کا نمونہ دکھاویں کہ جس کے بعد خاموش رہنا خودکشی کے مترادف ہو جائے۔تیسرے مکہ کے اندر ایک قسم کی جمہوری حکومت قائم تھی اور آپ ﷺ اس کے شہریوں میں سے ایک شہری تھے۔پس حسن سیاست کا تقاضا تھا کہ جب تک آپ مکہ میں موجود ہیں آپ ﷺ اس حکومت کا احترام فرمائیں اور خود کوئی امن شکن کام نہ ہونے دیں اور جب معاملہ عفو کی حد سے آگے گزر جائے تو وہاں سے ہجرت کر جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از مرزا بشیر احمد ایم اے صفحہ 299)

مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی داستان نہایت طویل اور دلخراش ہے میں بطور نمونہ ایک غیر مسلم پرکاش دیوجی کے الفاظ نقل کر دیتا ہوں جو حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی تصنیف چشمہ معرفت میں درج فرمائے ہیں۔لکھا ہے کہ

"حضرت کے اوپر جو ظلم ہوتا تھا اسے جس طرح بن پڑتا تھا وہ برداشت کرتے تھے۔ مگر اپنے رفیقوں کی مصیبت دیکھ کر اُن کا دل ہاتھ سے نکل جاتا تھا اور بے تاب ہو جاتا تھا اُن غریب مومنوں پر ظلم وستم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔لوگ اُن غریبوں کو پکڑ کر جنگل میں لے جاتے اور برہنہ کر کے جلتی تپتی ریت میں لٹا دیتے اور اُن کی چھاتیوں پر پتھر کی سلیں رکھ دیتے وہ گرمی کی آگ سے تڑپتے۔مارے بوجھ کے زبان باہر نکل پڑتی۔بہتیروں کی جانیں اس عذاب سے نکل گئیں۔انہیں مظلوموں میں سے ایک شخص عمار تھا جسے اس حوصلہ وصبر کی وجہ سے جو اس نے ظلم کی برداشت میں ظاہر کیا حضرت عمار کہنا چاہئے ان کی مشکیں باندھ کر اُسی پتھریلی زمین پر لٹکاتے تھے اور انکی چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے اور حکم دیتے کہ محمد کو گالیاں دو۔اور یہی حال اُن کے بڈھے باپ کا کیا گیا۔اُن کی مظلوم بی بی سے جس کا نام سمیّہ تھا یہ ظلم نہ دیکھا گیا اور وہ عاجزانہ فریاد زبان پر لائی اس پر وہ بے گناہ ایماندار عورت جس کی آنکھوں کے روبرو اس کے شوہر اور جوان بچے پر ظلم کیا جاتا تھا برہنہ کی گئی اور اسے سخت بے حیائی سے ایسی تکلیف دی گئی جس کا بیان کرنا بھی داخل شرم ہے آخر اس عذاب شدید میں تڑپ تڑپ کر اس ایماندار بی بی کی جان نکل گئی۔"(دیکھو صفحہ 25 سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحب)

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 258)

مکہ کے اندر مسلمانوں کے ساتھ کئے جانے والے سلوک کی ایک جھلک تو اس غیر مسلم کی تحریر میں ملتی ہے ۔مگر اس دور کے اصل حالات کا نقشہ صرف آنکھوں میں لانے کیلئے مضبوط جگر کی ضرورت ہے۔اس دور کے کچھ حالات حضرت مسیح موعودؑ کی زبانی بھی بیان کئے جا چکے ہیں۔جبر کے بے جا الزام کے رفع کرنے کے بعد ہم اس طرف آتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کی تلواریں اپنی نیام سے باہر آئیں تو وہ کیا حالات تھے؟ کس بات نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو مجبور کیا کہ وہ میدان میں اتریں ؟وہ کیا محرکات تھے جنہوں نے رحماء بینھم کی خوبصورت تصویر والوں کا اشداء علی الکفار کا رنگ بھی ظاہر کر دیا۔ان سوالات کے جوابات کے لئے ہمیں مستند تاریخی کتب کی مدد سے اس وقت کے حالات اس زمانہ کا سفر کرنا پڑے گا۔اب ہم قدرے تفصیل کے ساتھ ان واقعات کا جائزہ لیتے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو تلوار اٹھانے پر مجبور کیا۔

آنحضور ﷺ اور آپ کے اصحاب کے ہر طرح کے صبر کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ مکہ کی قومی پارلیمنٹ میں سارے قبائل قریش کے نمائندوں کے اتفاق سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ محمدؐ کو قتل کر دیا جائے تاکہ اسلام کا نام ونشان بھی مٹ جائے اور توحید کا نعرہ بھی ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا جائے۔اور پھر اس خونی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نوجوانان مکہ جو قریش کے ہی مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے رات کی تاریکی میں جتھہ بنا کر آپؐ کے مکان پر حملہ آور ہوئے۔وہ تو خدا نے اپنے رسول کی خود معجزانہ حفاظت فرمائی مگر کیا یہ سب مظالم اور اہل مکہ کی خونی قرارداد اور اس کی تکمیل کی سر توڑ کوشش اہل مکہ کی طرف سے اہل اسلام کیلئے اعلان جنگ کا حکم نہیں رکھتا کیا یہ سب حالات ثابت نہیں کرتے کہ اہل مکہ مسلمانوں کے خلاف مسلسل بر سر پیکار تھے۔ان ظالموں نے تو آپ کو ہجرت کی بھی اجازت نہ دی بلکہ آپ کی ہجرت کی خبر ملتے ہی انہوں نے ماہر کھوجیوں کی مدد سے ساری وادی چھان ماری اور آپ ﷺ کے سر کی قیمت بھی مقرر کر دی۔کیا یہ ساری باتیں ان کو مخالف اور نا قابل معافی مجرم ثابت نہیں کرتی ہیں ؟

خدا کے نبی اور اس کی کمزور جماعت کی بے سروسامانی کے عالم میں کی گئی ہجرت کے بعد اہل مکہ کا طیش کم نہ ہوا۔اور رؤسائے قریش نے مدینہ کے رئیس اعظم عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کو ایک خطرناک تہدید ی خط بھیجا اور اس میں لکھا۔

انکم اویتم صاحبنا وانا نقسم باللہ لتقاتلنہ او تخرجنہ او لنسیرن الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلتکم و نستبیح نساء کم (ابو داؤد کتاب الخراج)یعنی تم لوگوں نے ہمارے آدمی (محمد صلعم) کو پناہ دی ہے اور ہمیں خدا کی قسم ہے کہ یا تو تم اُس کا ساتھ چھوڑ کر اُسکے خلاف جنگ کر یا کم سے کم اسے اپنے شہر سے نکال دو ورنہ ہم ضرور بالضرور اپنالاؤ لشکر لے کر تم پر حملہ آور ہو جائیں گے اور تمہارے مردوں کو قتل کرڈالیں گے اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کر کے انہیں اپنے لئے جائز کر لیں گے۔

اس خط سے پیدا ہونے والی تشویش کا اندازہ اس مہذب دور کے باسی ضرور کر سکتے ہیں۔اُس دور میں اس خط کے نتیجہ میں بے چارے مہاجرین کو سخت فکر اور تشویش دامنگیر ہوئی اس کے علاوہ انصار میں بھی خطرناک سنسنی پیدا ہو گئی۔ان حالات کو تو آنحضور ﷺ نے خود علم ہونے پر جا کر سنبھالا اور عبداللہ بن ابی سلول کو جاکر ٹھنڈا کیا کہ تم اپنے ہی بھائیوں او رعزیز واقارب کے خلاف جنگ کرو گے اور اپنے ہی جگر گوشوں کے خلاف کھڑے ہوگے؟

خود سرور کائنات رسول اللہ ﷺ کا اپنا یہ حال تھا کہ کان رسول اللہ ﷺ اول ما قدم المدینۃ یسھر من اللیل (نسائی) جب شروع میں آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو دشمن کے حملہ کے خوف سے آپ ؐعموماً راتوں کو جاگا کرتے تھے۔اسی زمانہ کی بابت قرآن فرماتا ہے کہ

واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاوکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبات لعلکم تشکرون (سورۃالانفال:27)

مسلمانو! وہ زمانہ یا دکرو جب تم تھوڑے تھے اور ملک میں بہت کمزور سمجھے جاتے تھے اور تمہیں یہ خوف لگا رہتا تھا کہ لوگ تمہیں اچک کر تباہ کر دیں۔پھر خدا نے تمہیں پناہ دی اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید فرمائی اور تمہارے لئے پاکیزہ رزق کے دروازے کھولے۔پس تمہیں شکر گزار ہو کر رہنا چاہئے۔

اور یہ تومدینہ سے باہر کا نقشہ ہے۔مدینہ سے اندر کا نقشہ اس سے کچھ خاص مختلف نہیں تھا ابھی تک اوس اور خزرج کا ایک بڑا حصہ شرک پر قائم تھا اور وہ بظاہر تو اپنے بھائی بندوں کے ساتھ تھے مگر ایسے حالات میں مشرکین پر کیا اعتماد کیا جا سکتا تھا۔دوسرے نمبر پر منافقین کا گروہ تھا جو بظاہر ایمان لانے کے باوجود در پردہ اسلام کے دشمن

تھے اور ہر گز قابل اعتماد نہ تھے۔پھر وہ یہود تھے جو مدینہ کے اندر مسلمانوں کے لئے ایک بارود کے ذخیرے سے کسی بھی لحاظ سے کم نہ تھے۔اس انتہائی نازک وقت میں جب اسلام کی تشبیہہ ایک انتہائی انتہائی چھوٹے بچے سے دی جا سکتی ہے جو اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کا آسان شکار بنا ہوا ہے۔آنحضور ﷺ کو خدا کی طرف سے تلوار کا جواب تلوار سے دینے کا حکم ملتا ہے۔اس وقت لڑائی کے قابل مردوں کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی۔یہ وہ لوگ ہیں جو صرف قوت لایموت مہیا کرنے کے ہی بمشکل قابل ہیں۔سامان حرب کی دستیابی اور اعلیٰ جنگی انتظامات کا ہونا تو اُن کے واسطے ایک حسین خواب ہی تھا۔ان کے لئے تو بس دو چیزوں میں سے ایک کا فیصلہ کرنا تھا۔کیا وہ دشمن کا آسان شکار بننا چاہتے ہیں یا وہ مردانہ وارمیدان میں جا کر جان قربان کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن دانی کے بنیادی رموز سے واقف افراد کا قول ہے کہ ایک موضوع اگر کئی آیات قرآن میں بار بار آئیں توپہلی بار میں اس کی تفاصیل اور بنیادی مضمون بیان کر دیا جاتا ہے۔جہاد کی آیات میں موجودہ ترتیب کے مطابق سورۃ بقرۃ آیت191تا196صاف صاف اعلان کرتی ہیں کہ صرف بدی کا بدلہ اتنی ہی سختی سے لینے کی اجازت ہے اور حد سے آگے بڑھنے کی ہر گز اجازت نہیں ہے۔پھر آگے جا کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسی ان تحبو شیئا وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔(البقرۃ :217)

یعنی اے مسلمانو!ہم جانتے ہیں کہ جہاد بالسیف تم پر ایسے وقت میں فرض کیا گیا ہے کہ وہ تمہارے لئے ایک مشکل اور تکلیف دہ کام ہے۔مگر یا درکھو ہو سکتاہے کہ تم ایک چیز کو اپنے لئے موجب تکلیف سمجھو مگر وہ دراصل اچھی ہو۔ یا تم ایک چیز کو اپنے لئے اچھا سمجھو مگر در اصل وہ بری ہے اور بیشک اللہ اس بات کو جانتا ہے مگر تم اس کو نہیں جانتے۔

صحابہ کو اپنی کمزور حالت کا بخوبی علم تھا اور وہ جنگ کی سنگینیوں سے بھی واقف تھے لہٰذا ابتدائی دور کے مسلمانوں پر کشور کشائی اور جارحانہ حملوں کا الزام عائد کرنا سراسر تاریخ سے ناواقفی اور تعصب کی پیداوار ہو گا۔اس دور کا ایک اور نقشہ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ باوجود قرآنی حکم اور مسلمانوں کے اضطراری عزم کے اس وقت بہت سے کمزور دل مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ لڑائی کے خیال سے ان کے دل بیٹھے جاتے تھے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فلما کتب علیھم القتال اذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ و قالوا ربنا لم کتبت علینا القتال لو لا اخرتنا الیٰ اجل قریب(سورۃ النسائ:78)

یعنی جب مسلمانوں پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ کفار سے اتنا ڈرتا تھا کہ خدا کے ڈر سے ان کا ڈر بڑھا ہوا تھا اور یہ لوگ کہتے تھے کہ اے ہمارے رب !تو نے ابھی سے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا اور کیوں ہمیں تھوڑی دیر اور مہلت نہ دی۔

حقیقت حال یہ ہے کہ اور تاریخی شواہد بھی اس کے ہی مؤید ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہ نے ابتدائً جو کچھ کیا وہ دفاع اور خود حفاظتی میں کیا اور وہ بھی اُس وقت کیا جب قریش مکہ اور ان کی انگیخت پر دوسرے قبائل عرب کی معاندانہ کا روائیاں اس حد کو پہنچ چکی تھیں کہ ان سے مقابلہ میں مسلمانوں کا خاموش رہنا اور اپنی حفاظت کے لئے ہاتھ نہ اٹھانا خود کشی کے ہم معنی تھا۔جسے کوئی عقلمند نظر استحسان سے نہیں دیکھ سکتا اور پھر آنحضرت ﷺ نے دفاعی جنگ کے دوران جو کاروائیاں فرمائیں وہ حالات پیش آمدہ کے ماتحت نہ صرف بالکل جائز اور درست تھیں بلکہ جنگی ضابطہ اخلاق کا جو معیار آپؐ نے قائم فرمایا وہ آج بھی دنیا کے واسطے ایک بہترین نمونہ ہے۔